حضرت مولانا محمد یوسف صاحب
مدرسہ احیاء العلوم مامون کانجن ضلع لائل پور

ڈاکٹر فضل الرحمان

اور ان کے تحقیقاتی فلسفہ کے بنیادی اصول

فاضل اور فاضل مقالہ نگار نے ڈاکٹر فضل الرحمان اور ان کے ہم خیال حضرات کے نظریات پر اصولی گرفت کی ہے۔ اور تحقیق در ریسرچ کے روپ میں دجل و تلبیس کے جو سیاہ چہرے ہیں انہیں بے نقاب کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ لوگ سرے سے اسلام کے قائل ہی نہیں۔ بلکہ موجودہ اسلام ان کے نزدیک معاذ اللہ جعلی اسلام ہے۔ ادارہ الحق مولانا موصوف کا شکر گذار ہے۔ کہ انہوں نے الحق کو ان محققانہ خیالات کی اشاعت کا موقعہ دیا۔ شکر اللہ مساعیہ وجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین۔ امید ہے علمی دینی اور ثقافتی حلقوں میں یہ مضمون بڑی دلچسپی غور و فکر اور سنجیدگی سے پڑھا جائے گا۔ (ادارہ)

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ امابعد۔ عزت مآب جناب ڈاکٹر فضل الرحمان صاحب، کئی سال سے "اسلام" پر تحقیقی مشق سرکاری وسائل سے فرما رہے ہیں۔ پہلے پہل موصوف نے اپنی تحقیقی سرگرمیاں اپنے اساتذہ کی زبان انگریزی تک، محدود رکھیں، جولائی ۱۹۶۳ء سے "فکر و نظر" کے پہلے شمارے ہی سے ان کے مضامین اردو کا جامہ زیب تن کئے ہوئے منظر عام پر آنے لگے، تاہم ان کے خیالات اہل علم کے خاص حلقہ تک محدود تھے۔ جون ۱۹۶۶ء سے آپ نے ایک قدم اور آگے بڑھایا، اور اردو انگریزی اخبارات میں "زکوٰۃ" سے متعلق دو عدد بیان داغ دئے، پہلے بیان کی اگرچہ آپ نے تردید فرما دی لیکن تردید کے بین السطور اسکی حقانیت پر بھی زور دیا، ان کے اس عمل جراحی سے پوری ملت اسلامیہ کا تڑپ جانا ایک فطری امر تھا، چنانچہ ملک کے گوشے گوشے

سے یہ قراردادیں بھیجی گئیں کہ ڈاکٹر صاحب کو ادارہ تحقیقاتِ اسلامیہ " کی صدارت اور اسلامی مشاورتی کونسل " کی رکنیت اور سکرٹریٹ شپ سے الگ کیا جائے۔ ہمیں علم نہیں کہ جمہور کی یہ آواز جمہور کے نمائندوں ——— ارکانِ دولت ——— کے کان تک پہنچی یا نہیں، اگر پہنچی تو اسے لائقِ توجہ سمجھا گیا یا نہیں۔ اور اگر سمجھا گیا، تو اس پر غور و فکر کا کوئی نتیجہ برآمد ہوا یا نہیں ———؟

ذیل کی سطور میں ہم ڈاکٹر صاحب کے نظریات کی اجمالی فہرست دینا چاہتے ہیں۔ جس سے واضح ہوگا۔ کہ موصوف کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ مذہبِ اسلام غلط ہے، معاذ اللہ، اس صورتِ حال میں موصوف کو اسلامی تحقیقات کی زحمت دینا بالکل ایسا ہی ہوگا، جیسے کسی ماسٹر تارا سنگھ لالہ بہاری لال، یا پروفیسر شاخت کو قرآن و سنت کی تفسیر اور اسلام کی تشریح دی جائے، ظاہر ہے کہ یہ اسلام اور اسلام کے "جدید شارح" دونوں پر ظلم ہوگا۔ اس لئے جمہور اپنے اس مطالبہ میں حق بجانب ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کو کم از کم قومی ذرائع سے اسلام پر نفی کی لکیریں کھینچنے کا موقعہ نہ دیا جائے، ڈاکٹر صاحب کے نظریات پیش کرنے سے پہلے مناسب ہوگا، کہ ان کی تحریک کا پس منظر، اور ان کی تحقیقات کے وہ راہنما اصول مختصراً عرض کر دئے جائیں جن پر یہ نظریاتی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف جس مکتبِ فکر کے نقیب ہیں، اس کے نزدیک اسلام کا مفہوم بظاہر بہت سادہ اور مختصر، لیکن بے حد پیچیدہ اور مبہم ہے۔ ان کے نزدیک " اسلام نام ہے چند مثالی عبادات اور نصب العینوں کا، جن کو مختلف معاشرتی مظاہر اور احوال میں ترقی پسندانہ طور پر عملی جامہ پہنانا ہوتا ہے " (۱) یہ اسلام جو ان کے بقول " ہمیشہ نزیز اور تازہ بتازہ شکلیں تلاش کرتا رہا " (۲) ان کے نزدیک زندہ اسلام کہلانے کا مستحق ہے، اس مکتبِ فکر کا خیال ہے، کہ اسلام کی اصل روح پہلی صدی کے وسط میں شہادتِ عثمان کے بعد (۳) یا تقریباً پہلی صدی کے آخر میں (۴) دفن ہو کر رہ گئی، اور اب جو اسلام ۱۳ صدیوں سے مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔ یہ ٹھیک وہی اسلام نہیں جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا، بلکہ یہ اسلام مردہ کا ورثہ، اور زندگی کی حرارت سے محروم ہے۔ (۵) یہ اسلام محض پوست، مغز سے محروم، ظاہری، رسمی ڈھانچہ اور روح سے عاری ہے۔ (۶) یہ اسلام آزاد تخلیقی فکر کا گلا گھونٹ کر خود فریبی کا شکار ہے۔ (۷) یہ اسلام تمام شعبہائے زندگی

---

(۱) فکر و نظر جلد ۲ ش ۱۱ ص ۶۹۲ (۵) فکر و نظر جلد ۲ ش ۳ ص ۱۵۳
(۲) " " " (۶) " " " "
(۳) " جلد ۱ ش ۶ ص ۸ (۷) " " " "
(۴) " جلد ۱ ش ۱۰ ص ۸

میں انتہا پسندی اور غلو کی چکی میں پسا ہوا ہے۔ (۸) یہ اسلام قانونِ مبرم کا زخم خوردہ تعلیمی و فکری لحاظ سے بے حد نقصان رسیدہ، اور زوال آلودہ ہے۔ (۹) یہ اسلام صرف تعزیروں اور پابندیوں کا مجموعہ، قدامت پرستی کے اطوار کا پلندہ ہے۔ (۱۰) یہ اسلام ہمیشہ انتہا پسندانہ نظریات کا شکار رہا ہے۔ (۱۱) یہ اسلام روشن ضمیری سے محرومی کی بپتا کا مارا ہوا بدقسمت اور تمام تمدنی ڈھانچہ کیلئے تباہ کن ہے۔ (۱۲) امتِ مسلمہ اور حاملینِ دین کے بارے میں اس مکتب کا اندازِ فکر یہ ہے۔ کہ رحلتِ نبوی سے تقریباً ایک صدی بعد وہ اخلاقی اور عملی رجحان کی بجائے شدید تفکر و تعمق میں مبتلا ہو کر رہ گئے تھے۔ دیگر مذاہب کی طرح اسلام کو بھی یہ حادثہ پیش آیا کہ اس کا عالمی نظریہ اعمال کی جگہ عقائد کے رنگ میں تشکیل پانے لگا۔ اور دوسرے گمراہ فرقوں کے ساتھ اہلِ سنت بھی اخلاقی تجاذب کے ایک ہی سرے پر زور دے کر غلو اور تشدد میں اس قدر ڈوب گئے۔ کہ اپنے خود ساختہ عقائد کے ہاتھوں گویا خود ہی گروی ہو گئے، اور امتدادِ زمانہ کے ساتھ انہوں نے جبریت کو روایتی عقائد کا جزو لاینفک بنا ڈالا۔ (۱۳) اہلِ سنت نے ایمان و عمل کی تفریق کا نظریہ، جو مسیحی عقیدہ "استحقاق ایمان بہ نجات" عین میں چربہ ہے۔ اپنا کر انتہا پسندانہ اقدام، بلکہ اخلاقی خودکشی کا ارتکاب کیا۔ (۱۴) اہلِ سنت نے اطاعتِ امیر کی تعلیم دیکر نہ صرف یہ کہ کھلی "سیاسی ابن الوقتی" کی فضا پیدا کی بلکہ "سنی مسلمان ہمیشہ کیلئے حزبِ اقتدار کے حامی ہو کر رہ گئے خواہ اقتدار کیسے ہی ہاتھوں میں کیوں نہ ہو"۔ (۱۵) اہلِ سنت فکری نظام مرتب کر لینے کے بعد جابر، جامد، اور جارحانہ ذہنیت کے مالک بن گئے۔ اور خود ایک مسلک بن کر تحزب کا شکار ہو گئے۔ (۱۶) اہلِ سنت کیلئے فلسفہ سے ٹکراؤ کے اثرات ہلاکت آفریں ثابت ہوئے۔ (۱۷) اہلِ سنت۔ راسخ العقیدہ گروہ نے فلسفہ پر یکطرفہ غیر عقلی حملہ کر کے خود اپنے آپ کو ذہنی اور روحانی طور پر مفلوج کر لیا۔ (۱۸) اور غزالی اور ان کے بعد کے تمام علمبردارانِ راسخ العقیدگی۔ اہلِ سنت نے تمام انسانیت سے روگردانی کی۔ (۱۹) امام غزالیؒ، امام شاطبی، امام ابن تیمیہ، مجدد الف ثانی اور تمام مشاہیرِ اسلام نے جن کی مہریں فلسفہ کے خلاف ثبت ہیں۔ اور جن کی فہرست طویل ہے ـــ ثمرتی علوم کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا اس کیلئے ایک ہی لفظ موزوں ہے۔ مہلک۔ (۲۰) مسلمہ عقائد کے حامیوں۔ اہلِ سنت نے پشت در پشت اور پے بہ پے انسانی عقل ہی ساقط الاعتبار قرار دے کر جو انتہا پسندانہ اور چو طرفہ حملہ کیا یہ نہ صرف یہ کہ

---

(۸) فکر و نظر جلد ۲ ش ۳ ص ۱۵۳
(۹) " " " ص ۱۵۶
(۱۰) " " ش ۲ ص ۹۱
(۱۱) " جلد ۱ ش ۹ ص ۱۲
(۱۲) " " ش ۱ ص ۱۸
(۱۳) فکر و نظر جلد ۱ ش ۱۰ ص ۸
(۱۴) " " " ص ۹
(۱۵) " " ش ۹ ص ۱۰
(۱۶) " " " "
(۱۷) فکر و نظر جلد ۲ ش ۱ ص ۲۵
(۱۸) " " " ص ۳۰
(۱۹) " " " "
(۲۰) " " ش ۳ ص ۱۵۵

غیر صحیح تھا، بلکہ خودکشی کے مترادف تھا۔ (۲۱)

فقہائے اسلام کے بارے میں اس مکتب کا اندازِ فکر اس سے زیادہ شدید ہے۔ ان کا خیال ہے کہ قدیم فقہاء نے نہ صرف ذاتی آراؤ افکار کو بلکہ بیرونی عناصر کو بھی جن کا ماخذ یہودی روایات اور بازنطینی اور ایرانی انتظامی معاملات تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ (۲۲) امام ابو یوسفؒ نے تمام تر احتیاطی تدابیر کے باوجود بہت سی احادیث کو۔ جن کو فرضی سلسلۂ سند ذات نبویؐ سے منسوب کیا جا چکا تھا۔ کتاب الآثار میں روایت کر ڈالا۔ (۲۳) امام شافعیؒ نے نہ صرف یہ کہ حدیث و اجماع سے متعلق بہت سی مشکوک اور فرضی احادیث ذات نبویؐ سے منسوب کیں (۲۴) بلکہ ان کی روشن دماغی اور تیز طبعی نے ایسے مشینی نظام کو جنم دیا، جس نے اسلام کو جدتِ فکر کی تخلیق سے محروم کر دیا، اور اسے زندہ طاقت اور اپنی تقدیر کا خود مالک نہ رہنے دیا۔ بلکہ اسے اثر پذیر وجود کی حیثیت سے زندگی کے تھپیڑوں کو نذر کر دیا۔ (۲۵)

حضراتِ محدثین کے متعلق اس مکتب کا نقطۂ نظر یہ ہے۔ کہ انہوں نے نہ صرف بعض اقوالِ شافعی کو حدیث بنا ڈالا۔ (۲۶) بلکہ وہ سیاسی جنگوں اور کلامی بحثوں سے پیدا ہونے والے تمام افکار و خیالات کو عقاید کا رنگ دے کر حدیث کی شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے رہے۔ (۲۷)۔ اس مکتب کا قیاس ہے کہ احادیث احکام، احادیث اجماع، احادیثِ فتن، احادیثِ جبر و قدر، احادیث ایمان و عمل، احادیث تصوف وغیرہ کا تمام ذخیرہ اسی فرضی نسبت سے وجود میں آیا۔ (۲۸)۔ ان تمام انسانی آراء کو۔ جو زمانۂ مابعد کی پیداوار ہیں۔ درجۂ استناد بخشنے، تقدس کا نام دینے، اور ابدی صداقت قرار دینے کیلئے، معاذ اللہ، یونہی خداؤ رسول کے احکام کو باور کرایا جاتا رہا۔ (۲۹) اس مکتب فکر کا دعویٰ ہے۔ کہ باوجودیکہ قدماء محدثین خود اس "معلوم حقیقت" کا اشتہار دیا کرتے تھے۔ کہ اخلاقی امثال، پند و نصائح اور جوامع الکلم کو ذاتِ نبویؐ کی طرف منسوب کر دینے میں خواہ اس نوع کا انتساب درست ہو یا نہ درست کوئی حرج نہ سمجھنا چاہئے، البتہ فقہ و عقائد کی احادیث کی نسبت میں سلسلۂ سند کی صحت کا خیال رکھنا بہرحال ضروری سمجھا جائے۔ (۳۰) با ایں ہمہ یہ "متعصب محدثین" (۳۱) سب سے زیادہ فقہی اور کلامی احادیث ہی کو قطعی مشکوک، ناقابلِ اعتماد،

---

(۲۱) فکر و نظر جلد ۲ شش ۳ ص ۵۵، (۲۵) فکر و نظر جلد ۱ شش ۱ ص ۳۰ (۲۹) فکر و نظر جلد ۲ شش ۵ ص ۲۹۹
(۲۲) " جلد ۱ شش ۱ ص ۱۲ (۲۶) " " شش ۵ ص ۲۲ (۳۰) " جلد ۱ شش ۵ ص ۳ و دیگر مقالات
(۲۳) " " شش ۳ ص ۱۸ (۲۷) " " شش ۶ ص ۸ (۳۱) " " شش ۷ ص ۲۷
(۲۴) " " شش ۵ ص ۱۴ (۲۸)

نیز ملاحظہ ہوں اس سلسلہ کے دیگر مقالات

اور غیر صحیح ہونے کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دینے میں کامیاب ہو گئے ۔ (۳۲) ۔ الغرض محدثین کی اس جراءتِ رندانہ کے طفیل "حدیث" کا کام تاریخ نویسی نہیں ، بلکہ تاریخ سازی بن کر رہ گیا تھا ۔ (۳۳) ۔ لطف یہ کہ اسی مشکوک ، ناقابلِ اعتماد ، اور خود ساختہ تاریخ (حدیث) پر دینِ اسلام کی پوری عمارت کی بنیاد قائم ہے ۔ (۳۴) ۔ اور امت کی ۱۳ ، ۱۴ صدیاں اسی مشکوک ، ناقابلِ اعتماد ، اور خود ساختہ اسلام کے موافق اپنے ایمان وعمل ، فقہ وعقائد احسان وتصوف ، اور سیاست ومعاشرت کے نقشے مرتب کرتی رہیں ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

ہم اپنے ناظرین سے معذرت خواہ ہیں کہ انہیں کچھ دیر کے لئے اس "نظریاتی سنڈاس" میں جانے کی زحمت اٹھانا پڑی جس سے ان کے دماغ پھٹے جاتے ہوں گے ۔ لیکن کیا کیجئے اس "مردہ خانہ" میں سے جائے بغیر ہم اس کا تجزیہ نہیں کر سکتے تھے ۔ ہم یہاں اس بحث میں نہیں جانا چاہتے کہ یہ سب کچھ دیانتداری سے کہا گیا ، یا یہ سیاسی حالات کی پیداوار ہے ۔ اس کا منشاء غلط فہمی ہے ، یا دیدہ ودانستہ مغالطہ اندازی ہے ، اور یہ "فیضانِ نظر ہے یا کہ مکتب کی کرامت ہے" کچھ بھی ہو لیکن اتنی بات صاف صاف کہہ دینا چاہتے ہیں ۔ اور اسی میں پاکستان ، ملتِ اسلامیہ اور خود ڈاکٹر صاحب کی بھلائی ہے ۔۔۔ مگر اس مکتبِ فکر کا مقصد جو بھی ہو ، مگر ان کے "افکارِ پریشاں" کا نتیجہ مذہب سے بیزاری ، دین میں تشکیک وتذبذب ، ۱۴ سو سال کی کل ملتِ اسلامیہ سے بے اعتمادی اور اسلام کی پوری تاریخ کو سیاہ دکھلانے کے سوا کچھ نہیں ، ڈاکٹر صاحب کے قلم سے جتنی تحقیقات سرزد ہوئی ہیں ، ان کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ مذہبِ اسلام ، معاذ اللہ ، مشکوک ، ناقابلِ اعتماد ، فرضی ، بناوٹی اور غلط مذہب ہے ۔ کیا سطور بالا میں ذکر کردہ نظریات سے اس کے علاوہ کسی اور نتیجہ کی گنجائش ہے ۔۔ ؟

* پنجاب مرحوم اس اعتبار سے خاص امتیازی حیثیت کا حامل رہا ہے ، کہ گذشتہ صدی سے یہاں "اصلاحِ اسلام" کے عنوان سے "دیرینہ اسلام" کو غلط ثابت کرنے والی کئی تحریکیں جنم پذیر ہوئیں جن میں مرزا غلام احمد قادیانی ، علامہ عنایت اللہ المشرقی اور مسٹر غلام احمد پرویز کے نام سرفہرست آتا ہے ، مگر مرزائی مکتبِ فکر نے "اصلاحِ اسلام" کی صورت دعویٰ نبوت کی شکل میں تجویز کی ، اس لئے ختمِ نبوت اور حیاتِ مسیح وغیرہ چند مسائل اس کے لئے پاؤں کی زنجیر ثابت ہوئے ، اب اسکی حیثیت مثل مشہور "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" سے زائد نہ رہی ، اور ثانی الذکر نے "مولوی کا مذہب غلط" کا نعرہ

---

(۳۲) فکر ونظر جلد ۱ ش ۷ ص ۹

(۳۳) " " ش ۵ ص ۱۰

(۳۴) " " ش ۷ ص ۱۰

لگایا، مگر ان کا "عسکری اسلام" جو شاید خود ان کے لئے بھی ناقابلِ فہم تھا، چل نہ سکا، اور مسٹر پرویز نے قدیم اسلام کو "عجمی سازش" قرار دے کر "مرکزِ ملت" اور "نظامِ ربوبیت" کا نظریہ پیش کیا، مگر ایک آدھ "مرکزِ ملت" سے زیادہ کے یہاں اسکو شرفِ پذیرائی حاصل نہ ہو سکا، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کی تحریک علمی نہ تھی، بلکہ عامیانہ اور سوقیانہ قسم کے افکار کا پلندہ تھی۔ البتہ ڈاکٹر صاحب کا مکتبِ فکر اس اعتبار سے امتیازی مقام رکھتا، کہ اس نے "انکارِ دینِ قدیم" اور "تخریبِ اسلام کہنہ" کی تحریک ایک حد تک اصولی، علمی، اور فلسفی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، تاہم احسان شناسی ہو گی، اگر وہ اپنے ان تمام "اسلاف" کے شکر گذار نہ ہوں، کیونکہ اصل مقصد کی حد تک یہ لوگ موصوف کے لئے "ہراول دستہ" ثابت ہوئے اور انہوں نے موصوف کی تحریک کے لئے کافی حد تک زمین تیار کر دی، بالخصوص مؤخر الذکر کا تو انہیں نہایت ممنون ہونا چاہیئے۔ کہ اُن کے اور ان کے نظریات و افکار سچ مچ کافی حد تک میل کھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پرویز صاحب کے کئی ایک "خاص تربیت یافتہ اصحاب" جو برسوں ان سے منسلک رہے، آج وہ ڈاکٹر صاحب کی صفوں میں نظر آتے ہیں، کیونکہ ان کا اصل مقصد قدیم اسلام کو غلط کہنا یہاں ذرا سنجیدہ، علمی اور سائینٹفک نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے انکارِ دین اور تخریبِ اسلام کیلئے جو فلسفہ پیش کیا ہے، وہ مغربی اصطلاح میں "فلسفۂ ارتقاءِ اسلام" اور مشرقی اصطلاح میں "فتنۂ استشراق" کہلاتا ہے۔ یہ فلسفہ یا فتنہ موصوف کی اختراع نہیں، بلکہ کافی مدت سے مغرب کا چبایا ہوا فلسفہ ہے جس کا مقصد ابتدائے آفرینش ہی سے یہ تھا کہ اسلام کی موجودہ شکل کو ارتقاد کی شعبدہ بازی قرار دے کر مذہبِ اسلام اور عیسائی کلیسا کو ہمرنگ اور متشابہ ثابت کیا جائے۔ تاکہ جس طرح مغربی نسل نے کلیسائی جبروت کا جوا اتار پھینکا اور مادر پدر آزاد ہو گئے۔ اسی طرح مسلمانوں کی نسلِ آئندہ بھی اسلام اور اسکی صحیح تعلیمات کا جوا آسانی سے اتار پھینکیں اور پابندیٔ اسلام سے سبکدوش ہو جائیں۔ "پیرِ مغرب" اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا اس کی شہادت کیلئے ڈاکٹر صاحب کا مکتبِ فکر کافی ہے۔ (۳۵)

اسے ڈاکٹر صاحب کی خوش قسمتی کہہ لیجئے یا کچھ اور، کہ ان کی عقل و خرد، شعور و احساس، ہوش و حواس، اور فہم و ادراک کی آنکھ ٹھیک اس ماحول میں جا کر کھلی، جہاں اس فلسفہ کا چرچا اس شدت سے تھا، کہ ہم مشرقیوں کو بھی اسکی گونج اور صدائے بازگشت سنائی دیا کرتی تھی، پھر موصوف کی ساخت و پرداخت اور تعلیم و تربیت ان ہی "ارتقائی فلاسفہ" کے سپرد ہوئی، جن کے دل و دماغ کا سب سے بڑا کانٹا، مذہبِ اسلام تھا، اس لئے ان کے لائق اور قابلِ فخر تلمیذ رشید کا ان سے متاثر بلکہ ان کا معتقد اور بھی حلقہ

(۳۵) ملاحظہ ہو ڈاکٹر صاحب کا مقالہ "عبدیتِ قرآن" مشمولہ فکر و نظر جلد ۲ شمارہ ۴ ص ۲۲۹

میں ان سے مرعوب و مسحور ہو جانا ایک فطری امر تھا، کیونکہ :

"ایک یکساں نظام فقہ کی تشکیل میں ایک امر یہ مانع تھا، کہ ہر مذہب فقہ کے پیرو اپنے بانی اور شیوخ کا غیر معمولی احترام کرتے تھے اور بالعموم ان کی رائے سے اختلاف نہیں کرتے تھے ـــــ ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ جہاں کوئی فقیہ دوسرے مذاہب فقہ کے آرا، و افکار سے متاثر ہو کر اپنے موقف سے دستبردار ہو گیا ہو۔ امام ابو یوسف ؒ اپنی کتاب "الرد علی سیر الاوزاعی" میں بالعموم امام ابو حنیفہ ؒ کے موقف کی تائید کرتے ہیں۔ صرف دو تین مقامات پر مثلاً دارالحرب میں ربوا کے مسئلہ کی نسبت وہ امام اوزاعی کی حمایت کرتے ہیں، یہ امر بالکل فطری ہے، اور آج بھی بالعموم یہی ہوتا ہے۔ کہ شاگرد اکثر امور میں اپنے استاد کا ہم خیال ہوتا ہے۔" عــہ

اس فطری عمل نے ڈاکٹر صاحب کے مزاج پر اس قدر گہرا ارتقائی رنگ چڑھایا، کہ انہیں فرقہ ارتقائیہ کا امام اور گولڈ تسہیر اور جوزف شاخت کی ٹکر کا آدمی بنا دیا، اب وہ اس فن کے نشیب و فراز سے واقف اور اس کے اصول و فروع کے اس قدر ماہر ہیں، کہ اپنے مغربی اساتذہ کے ارتقائی نظریات کو پورے شرح صدر کے ساتھ قبول کرتے ہیں، اور جہاں ان کا کوئی نظریہ لائق توجیہ ہو، وہاں بزعم خود دلائل براہین کے ساتھ موجہ کرتے ہیں۔ (۳۶) اگر کوئی نظریہ مشرقی فضا کے لئے وحشت آور ہو تو اسے نئے اسلوب میں پیش کرتے ہیں۔ اور اگر کسی اسلامی مسئلہ پر وہ ارتقائی دلائل پیش نہیں کر سکے تو موصوف اس کے لئے جدید اصول وضع فرماتے ہیں اور نئے دلائل مہیا فرماتے ہیں (۳۷)، علمی اصطلاح میں کہنا چاہئے کہ اس فن ارتقا میں موصوف کو مجتہد فی المذہب کا درجہ حاصل ہے۔ (جسے خوش فہمی سے انہوں نے اجتہاد فی الدین تصور کر لیا ہے۔) گویا علامہ اقبال ؒ کے پیر رومی ؒ نے انہیں کو سامنے رکھ کر کہا تھا ؎

مرغ پر نارستہ چوں پراں شود　　　　ہر گربہ دراں شود

اس فلسفۂ ارتقاء کی بنیاد جن فرضی قسم کے اصول موضوعہ پر اٹھائی گئی وہ بہت سادہ، مختصر اور بظاہر بڑے دلفریب ہوتے ہیں۔ یعنی :۔

الف ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اساسی طور پر بنی نوع انسان کے اخلاقی مصلح تھے۔ (۳۸)

ب ـــــ آپ شارع نہ تھے، اس لئے اسلام کی ترقی کے لئے نہ آپ نے قانون سازی کی، نہ از روئے قیاس اس کے لئے آپ کو فرصت ہو سکتی تھی۔ (۳۹)

(۳۶) فکر و نظر جلد ۱ ش ۱ ص ۱۲
(۳۷) 〃 〃 ش ۵ ص ۱۹
(۳۸) 〃 〃 ش ۱ ص ۱۴
(۳۹) فکر و نظر جلد ۱ ش ۱ ص ۱۸
عــہ فکر و نظر جلد ۳ ش ۷، ۸ ص ۵۶۷

ج ـــــ دورِ نبوی میں بھی (پیدا ہونے والے نزاعات کا) صحابۂ کرام اپنی خرد و فہم یا رسوم و رواج کے مطابق خود فیصلہ کر لیا کرتے تھے، اگر انتہائی غیر معمولی حالات میں ذاتِ نبوی کو زحمت دی بھی جاتی، یا بہت ہی خاص حالات میں قرآن کا سہارا لینا ہی پڑتا، تو ان قرآنی اور نبوی فیصلوں کی نوعیت محض ہنگامی اور وقتی ہوتی تھی، جنہیں قانون کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ "ایک گونہ نظیر" ہی کہا جا سکتا ہے۔ (۴۰)

د ـــــ محض مذہب یا حکومت سے تعلق رکھنے والی بڑی بڑی پالیسیوں کو طے کرنے یا اہم اخلاقی اصولوں کے متعلق فیصلہ صادر کرنے ہی میں آنحضرت نے کوئی اقدام فرمایا، لیکن اس کے لئے بھی آپؐ اکابرِ صحابہ سے مشورہ فرما لیا کرتے تھے۔ یعنی ان کا مشورہ تنہائی میں یا پبلک میں حاصل کر لیا جاتا (۴۱)

ان فرضی مقدمات سے جو نتائج برآمد ہوئے ان کو بھی فلسفۂ ارتقاء کے اصول موضوعہ میں شامل کر لیا گیا، چنانچہ کہا گیا کہ :-

ہ ـــــ قرآن تو عام اخلاقی اصولوں کے علاوہ، جو خود بھی غیر متعین اور مبہم و مجہول ہیں، کوئی قانون اپنے اندر نہیں رکھتا، وہ صرف ان علل و غایات کے اعتبار سے ابدی ہے۔ جو اس سے اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ (۴۲) یعنی ان ارتقائی ڈاکٹروں سے پہلے ان کو کسی نے اخذ نہیں کیا - نہ کوئی کر سکا۔

و ـــــ اور سنت کا اوّل تو (قرآنی بیانات سے باہر قانونی یا اخلاقی امور کے متعلق) وجود ہی نہیں (۴۳)

ز ـــــ اور اگر اس کا وجود تسلیم بھی کر لیا جائے تو کیا وہ کوئی متعین شے ہے۔؟ نہیں! (۴۴)

ح ـــــ بلکہ وہ ایک عمومی محیط تصوّر اور تعاملی اصطلاح تھی، جو کسی خاص مادے اور عنصر تک محدود نہیں ہوتی، نہ کی جا سکتی ہے، بلکہ مختلف کوائف و ظروف میں اسکی تعبیروں اور تطبیقوں کی گنجائش ہے (۴۵) یعنی سنت کا وجود تھا، لیکن مبہم، مجہول، فلاسفہ کا ہیولیٰ وجود ہے لیکن عدم سے بدتر۔ (باقی آئندہ)

---

(۴۰) فکر و نظر جلد ۱ شش ۱ ص ۱۸ (۴۳) فکر و نظر جلد ۱ شش ۱ ص ۱۲

(۴۱) " " " " (۴۴) " " " ص ۱۶

(۴۲) " جلد ۲ شش ۴ ص ۲۲۷ (۴۵) " " " ص ۱۸